فقہ المعا شرت

غیر مسلم ممالک میں سفروسکونت کا شرعی حکم

مولانا محمدصالح العثمین

مترجم مولانا عبدالقوی لقمان

ہجرت کا مفہوم اور یہ کب فرض ہوتی ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؟

﴿إِنَّ الذین توفھم الملئکة ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالواکنا مستضعفین فی الأرض قالواألم تکن أرض الله واسعةًفتھا جروا فیھا فاولٰئک مأواھم جھنم وسآء تْ مصیرًا إلَّا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلةً وَّ لایھتدون سبیلاً فاُوْلٰئکَ عسی الله أن یعفو عنھم وکان الله عفوًّاغفورا﴾

(النساء ۹۷تا ۹۹)

''جولوگ اپنی جانوں پرظلم کررہے تھے،ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں،توان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟انہوں نے جواب دیا!کہ زمین میں کمزوراور مجبور تھے۔فرشتوں نے کہا:کیااللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟یہ وہ لوگ ہیں،جن کاٹھکانہ دوزخ ہےاوروہ بڑاہی براٹھکانا ہے۔ہاں جومرد،عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے،بعیدنہیں کہ اللہ انہیں معاف کردےاوراللہ بڑامعاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

الھجرة لغوی طور پر **الھجر** سے ماخوذ ہےجس کا مطلب چھوڑ دینا ہے۔اورشریعت کی اصطلاح میں **الھجرة** سےمراد یہ ہے:

''الانتقال من بلد الشرك إلٰی بلد اسلامِ'' (کتب الجامی ۳تا۹۱)

''کفروشرک والےعلاقے سے بُلد اسلام کی طرف منتقل ہونا۔''

بلدِ کفرؒ وہ مقام ہے جہاں کفر کےشعائرنمایاں ہوں،اوراسلام کےشعائر،جیسےاذان،باجماعت نمازپنجگانہ،عیدین کاانعقاداورنمازِجمعہ وغیرہ کاعام اور ہرجگہ اہتمام نہ کیا جاتا ہو۔'عامّ' کی شرط کی ضرورت اس بناپرہے تاکہ اس سےوہ مقامات اورغیرمسلم ممالک بھی نکل جائیں جہاں مسلم اقلیت کی بناپراسلامی شعائر کااہتمام توکیاجاتاہےمگربہت محدوددائرےمیں رہ کران کی اجازت دی جاتی ہے۔چنانچہ ایسےعلاقے اورممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اوربعض مخصوص جگہوں پرہی محدوددائرےمیں رہتےہوئےان اسلامی شعائر کا انعقادکرسکتےہوں تووہ اسلامی شہریااسلامی ممالک نہیں ہیں۔دیاراسلام،وہی ہوسکتےہیں،جہاں مکمل مذہبی آزادی ہواوروہاں اسلامی شعائرعمومی طورپراورہرجگہ منعقدہوتےہوں۔

ہجرت ہراس مؤمن پرواجب ہے،جوبلدِکفرمیں رہتاہواوردین اوراس کےشعائر کےاظہار کی طاقت نہ رکھتاہوتواگروہ بغیرہجرت کے

اپنے دین کو ظاہر رکھنے کی طاقت نہ رکھے تو ایسی صورت میں ہجرت کے بغیر اس کا اسلام ناقص ہوگا، کیونکہ جس 'عمل' کو کئے بغیر، واجب (فرض) ادا نہ ہوتا ہو تو اس 'عمل' کو بجالانا بھی واجب (یعنی فرض) ہوجاتا ہے۔ چنانچہ آغاز میں درج کردہ قرآنِ حکیم کی آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل موجود ہے:

''وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی قدرت وطاقت ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہ کی تو موت کے فرشتوں نے ان کی روحیں قبض کرتے ہوئے ان کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کی اور ان سے کہا کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں کہیں ہجرت کر جاتے؟ مگر وہ کمزور اور بے بس لوگ، جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہجرت سے عاجزی اور بے بسی کی بنا پر ان سے درگزر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ (رحیم وکریم) کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلّف (یعنی پابند) نہیں کرتے۔'' (النساء: ۹۷ تا ۹۹)

ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

"یعبادیَ الذین اٰمنوا اِن أرضيْ واسعةٌ فإيّايَ فاعبدون" (العنکبوت ۵۶)

''اے میرے وہ بندو! جو ایمان لائے ہو! میری زمین وسیع ہے، میرے ہی بندگی کرو۔''

امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہ آیت کریمہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی، جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تھی۔''

ایسی صورت میں ہجرت فرض ہونے کی دلیل رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ''ولا تنقطع الهجرة حتّٰى تنقطع التوبةُ ولا تنقطعُ التوبةُ حتّٰى تطلعَ الشمس من مغربها (سنن ابو داود ۲۴۷۹)

''جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوجاتا تب تک ہجرت کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوگا اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہ ہوگا، جب سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا (یعنی جب تک قیامت قائم نہیں ہوتی)۔''

غیر مسلم معاشروں کی طرف سفر کرنا تین شرائط کے بغیر شرعاً جائز نہیں:

(۱) انسان کے پاس دین کا اتنا ٹھوس اور پختہ علم ہو جس کے ذریعے وہ شکوک وشبہات کو دور کرسکے اور اپنے آپ کو (غیر اسلامی اثرات سے) بچاسکے۔

(۲) وہ دینی اعتبار سے اتنا پختہ اور ثابت قدم ہو کہ شہوات اور جنسی خواہشات میں پڑنے سے بچ سکے۔

(۳) وہ ان ممالک کی طرف سفر کرنے کا شدید محتاج اور ضرورت مند ہو۔

اگر یہ شرائط پوری نہ ہو تو ایک مسلمان کے لئے غیر معاشروں کی جانب سفر کرنا اس لئے جائز نہیں کہ ایک تو اس کے 'فتنہ' میں واقع ہوجانے کا ڈر ہے اور دوسرے: سراسر نافرمانی کے اس سفر میں بہت سا مال ضائع ہوجاتا ہے، اس لئے کہ انسان ان جیسے سفروں میں بہت زیادہ مال ودولت بلاضرورت خرچ کر بیٹھتا ہے۔ اگر انسان کو کسی اشد ضرورت کی بنا پر سفر کرنا پڑ جائے، جیسے علاج یا آپریشن کی غرض سے یا

ایسے جدید منفعت بخش علوم کے حصول کے لئے جو اس کے اپنے ملک میں ناپید ہوں (بشرطیکہ اس کے پاس اس حد تک علم اور دینی وروحانی قوت بھی ہو، جو اسے غیر مسلم تہذیب کے اثرات سے محفوظ رکھ سکے) جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے تو ایسی صورت میں سفر کی ممانعت نہیں۔ لیکن اگر یہی سفر کفار ومشرکین کے ممالک کی محض سیر وسیاحت کے لئے ہو، کسی اور ضرورت، مصلحت کی بنا پر نہیں، ایسے ہی اسی سیر وتفریح کی غرض سے کسی اسلامی ملک میں سفر کرنا اس کے بس میں ہو جہاں شعائر اسلام کی پاسداری کرنے والے کثرت سے ہو، تو ایسی صورت حال میں غیر مسلم ملک میں جانا جائز نہیں، جبکہ آج کے دور میں مسلمانوں کے شہر اور ممالک سیر وسیاحت کے اعتبار سے بہت ہی موزوں اور مناسب ہیں، لہذا ایک مسلمان کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ کچھ وقت کے لئے ایسے ممالک کا رخ کرے جہاں وہ ایام تعطیلات گزار کر اپنا جی بہلا سکے۔

جہاں تک ایک مسلمان کے لئے بلادِ کفر وشرک میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا تعلق ہے، تو اس سے مسلمان کے دین، اس کے آداب واخلاق اور کردار پر خوفناک اور تباہ کن نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ہم نے خود اور کئی دیگر لوگوں نے متعدد اشخاص کو وہاں رہتے ہوئے، دین سے منحرف ہو کر یا فسق وفجور میں لت پت ہو کر، یا پھر اپنے دین سے مرتد ہو کر واپس لوٹتے دیکھا ہے اور ان کی دین ومذہب سے نفرت کا یہ عالم ہوا کہ وہ اپنے دین سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ بقیہ تمام ادیان ومذاہب کے بھی نہ صرف منکر ہوئے بلکہ اس دین سے وابستہ ہونے والی پاکیزہ ہستیاں (السابقون الاولون) اور متاخرین میں سے جو اسلام لائے، سب کے سب ان ملحدوں اور مرتدوں کے استہزا اور مذاق کا نشانہ بنے، اور یہ صورت حال اب تک جاری ہے۔

اس لئے یہ بات از حد ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کے اخلاقی تحفظ اور دینی وایمانی تشخص کی بقا کے لئے ٹھوس اور مضبوط اقدامات ہونے چاہئیں اور قانونی اعتبار سے بھی ایسی شرائط وضع کی جائیں جو مسلمانوں کو ان ہلاکت خیزیوں اور تباہ کاریوں سے بچا سکیں۔

بلادِ کفر وشرک میں سکونت کی دو بنیادی شرطیں:

(۱) سکونت اختیار کرنے والے شخص کا دین وایمان محفوظ ومامون ہو، اس اعتبار سے کہ اس کے پاس اتنا مضبوط علم وایمان اور عزیمت کی قوت وطاقت موجود ہو، جس کی بنا پر وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہ سکے اور انحراف وگمراہی سے بھی بچ سکے، اور ساتھ ہی ساتھ اہل کفر کی محبت اور ان سے دوستانہ تعلقات سے دور رہتے ہوئے، ان سے نفرت اور عداوت کو اپنے دل میں سمائے رکھے، اس لئے کہ کفار ومشرکین سے محبت وعقیدت رکھنا اور ان سے تعلقات استوار رکھنا، ایمان کے منافی اُمور میں سے ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ''**لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حآد اللہ ورسولہٗ ولو کانو آباء ھم اوْ ابناء ھم او اخوانھم أو عشیرتھم....**'' (المجادلہ:۲۲)

تو جو لوگ اللہ اور اخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں، آپ کبھی انہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی لگائیں، جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہو، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا بیٹے ہو، یا بھائی یا (سارے) کنبہ (وقبیلہ) والے ہوں''

اور سورۃ المائدۃ میں حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

یاَیھاالذین اٰمنوا لاتتخذوا الیھود والنصارٰیٓ اولیآءَ بعضھم اولیاء بعضٍ وَمن یتولھم منکم فاِنہٗ منھم ان اللّٰہ لا یھدی القوم الظٰلمین،فتری الذین فی قلوبھم مرض یُسٰرِعون فیھم یقولون نخشٰی ان تصیبنا دائِرۃ فعسی اللّٰہُ ان یاتی بالفتح او امرٍ من عندہٖ فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم ندٰمینَ.

اے ایمان والوں! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم میں سے کسی نے ان کو دوست بنایا، تو وہ بھی انہی میں سے ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، وہ انہی (یہود و نصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں، ہو سکتا ہے کہ جلد ہی اللہ (مؤمنوں کو) فتح عطا فرما دے، یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کر دے تو جو کچھ یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، ان پر نادم ہو کر رہ جائیں گے۔'' (آیت ۵۱:۵۲)

اور صحیح حدیث میں نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

وان من أحبَّ قوما فھو منھم، وان المرء مع من أحبَّ''(۱)

''جس نے کسی قوم سے محبت کی تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا، اور بے شک آدمی اسی کے ساتھ (ہوگا) جس کے ساتھ اس نے محبت کی ہوگی۔''

اور اللہ کے دشمنوں سے محبت، ایک مسلمان کے لئے بڑی خطرناک بات ہے، اس لئے کہ ان کے ساتھ محبت کا لازمی نتیجہ ان کی موافقت اور پیروی کی صورت میں نکلتا ہے یا پھر یہ محبت کم از کم ان کی (دین کے خلاف) ہر بات کو رد کرنے سے بھی روکتی ہے، اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے ''**من احب قوما فھو منھم**'' (ایضاً)

''جو شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔''

(۲) سکونت پزیر شخص کے لئے دار الکفر والشرک میں اپنے دین و ایمان کا کھلے عام اظہار ممکن ہو، اس طرح سے کہ وہ بغیر کسی ممانعت کے دینی شعائر کا اہتمام اور اس پر عمل پیرا ہونے کا ہر طرح سے مجاز ہو، مثلاً اگر وہاں اس کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی ہوں تو اسے ان کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت اور **جمعة المبارك** کی نماز ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اسی طرح اسے دیگر ارکان دین، یعنی زکوۃ، روزے اور حج وغیرہ کی ادائیگی کی ممانعت نہ ہو اگر ایسا ممکن نہیں تو ان حالات میں چونکہ اس پر ہجرت واجب ہے لہذا اس کا کفار و مشرکین کے ملک میں ٹھہرنا بھی جائز نہیں۔

علامہ ابن قدامہؒ نے اپنی کتاب ''المغنی'' میں ہجرت کے ضمن میں لوگوں کے مختلف اقسام ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ تو وہ ہیں جن پر ہجرت کرنا واجب ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہجرت کی طاقت رکھتے ہو اور ''بلادِ کفار'' میں اپنے دین کا اظہار ان کے لئے ناممکن ہو۔ اور وہ کفار کے درمیان رہتے ہوئے اپنے دین کے واجبات پر بھی عمل پیرا نہ ہو سکتے ہوں تو ایسے لوگوں پر اللہ عز و جل کے اس فرمان کی رو

سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔اس کے بعد ابن قدامہؒ نے مذکورہ بالا آیت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیتِ ہذا میں یہ شدید ترین وعید، ہجرت کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ واضح رہے کہ دین کے واجبات پر عمل کرنا ہر اس شخص پر ضروری ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو، اور دین اسلام میں ہجرت تو ''واجب کی ضرورت'' اور اس کے تکمیل سے ہے، اور جس عمل کو ادا کئے بغیر واجب پورا نہ ہوتا تو اس عمل کو بجالانا بھی واجب ہوتا ہے۔ (ج:۸ ص:۴۵۷)

غیر مسلم ممالک میں سکونت کی مختلف صورتیں:

(اوران) کے احکام: مذکورہ دو شرطوں کی تکمیل کے بعد دارِ کفر میں سکونت اختیار کرنے کی کئی ایک صورتیں ہیں، جن کے لئے شریعت کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں:

پہلی صورت: آدمی 'دارِ کفر' میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے اور راغب کرنے کے لئے رہائش اختیار کرے۔ ایسی صورت میں اس کا یہ فعل جہاد کی ایک قسم ہے، البتہ اس صورت میں دین اسلام کی دعوت دینے کے لئے اس کا ضروری علم ہونا لازمی ہے۔ ایسے داعی کے لئے یہ سکونت 'فرض کفایہ' کا حکم رکھتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کی وہاں یہ دعوت ایک تو بارآور ثابت ہو اور دوسرے یہ کہ نہ کوئی اس کو یہ دعوت دینے سے منع کرتا ہو، اور نہ اس دعوت کو لبیک کہنے (یعنی قبول کرنے) والے کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالتا ہو۔ دلیل اس امر کی یہ ہے کہ اسلام کی طرف دعوت دینا، دین کے واجبات میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کا وظیفہ اور مشن ہے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنی امت کے ہر فرد کو ہر جگہ پر اپنی شریعتِ طاہرہ کے احکامات و پیغامات پہنچانے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''بلغوا عني ولو آية'' (صحیح بخاری ۳۴۶۱)

''مجھ سے لی ہوئی خواہ ایک ہی آیت (اور حدیث) ہو تو اس کو آگے پہنچا دو''

دوسری صورت: کوئی مسلمان بلادِ کفر و شرک میں رہتے ہوئے کافروں اور دشمنانِ دین کے حالات کے بارے میں آگاہی رکھے، نیز ان کے عقائد کی خرابیوں، طریقۂ عبادت کی غلطیوں، اخلاقی انحطاط اور ان کے کردار و گفتار کے بگاڑ پر کڑی نگاہ رکھتا ہو، تاکہ عام لوگوں (خاص طور پر جاہل مسلمانوں) کو ان کے دامِ فریب میں آنے سے ڈرا اور بچا سکے، اور ان کفار کی طرف رشک آلود نگاہوں سے دیکھنے والوں پر ان کی حقیقت آشکارا کر سکے۔ بلادِ کفر میں ایسی سکونت بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے اور یہ اس لئے کہ یہ دعوت اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے اہل اسلام کو کفر اور اہل کفر سے بچانے اور عامة المسلمين کو اسلام کی طرف لانے پر مشتمل ہے، کیونکہ کفر کا بگاڑ و فساد اسلام کی اصلاح و فلاح کی دلیل ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: وَبضدها تتبينُ الا شياء (البرهان ۳/۲۰)

''اشیا کی حقیقت اپنی مخالف اشیا سے نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔''

مگر یہاں یہ شرط ملحوظ رہے کہ داعی کی یہ دعوت جس مقصد کے لئے ہو، وہ مقصد اپنے سے بڑھ کر کسی فساد کے رونما ہوئے بغیر برگ و بار

لائے۔اور اگر اس داعی کو اس دعوت کا کوئی مثبت نتیجہ حاصل نہ ہو سکے اور وہ اس طرح کہ وہاں کے کفار و مشرکین اس کو اپنے باطل عقائد اور (کفر کی تردید) سے روک دیں تو تب اس شخص کے وہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

ایسے ہی اگر اس داعی کو اس دعوت کے مثبت نتائج تو مل رہے ہیں، مگر ساتھ ہی وہ دعوت اپنے فوائد اور مصالح سے بڑھ کر مفاسد و مضرات کے سر اُٹھانے کا سبب بن رہی ہو، مثلاً اس کی دعوت کے ردِ عمل میں مخالفین اسلام، اہل اسلام، رسول کریمؐ اور دیگر مسلمان ائمہ کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانے لگ جائیں تو ایسے حالات میں داعی کو دعوت سے رک جانا چاہئے کیونکہ اللہ جل شانہٗ کا یہ فرمان ہے:

''ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم كذلكَ زینا لکل امةٍ عملهم ثمه الی ربهم مرجعهم فینبئهم بما کانوا یعملون''

''(اے) مسلمانوں) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں، انہیں گالی نہ دو۔ ورنہ یہ لوگ جہالت کی وجہ سے چڑ کر اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو جو کچھ یہ کرتے رہے، اس کی انہیں وہ خبر دے دے گا۔'' (الانعام: ۱۰۸)

اس آیت کریمہ میں کفار کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے اس بنا پر روکا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں جب دعوت کا نتیجہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات و کردار کشی کی صورت میں سامنے آئے، تو ایسی دعوت کو روک کر اپنی حکمت عملی کو تبدیل کرنا چاہئے۔

دوسری صورت میں یہ نوعیت بھی شامل ہے کہ کوئی مسلمان شخص، غیر مسلم معاشروں میں محض اس غرض سے ٹھہرے کہ وہاں رہ کر وہ مسلمانوں کے حق میں کفار اور دشمنانِ اسلام کی جاسوسی کے فرائض انجام دے سکے اور ان کی تیار کردہ خفیہ سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے اہل اسلام کو متنبہ کر سکے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خندق میں، حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو مشرکوں کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ ان کی (جنگی چالوں اور) اور سرگرمیوں کی خبریں معلوم کر سکیں۔ (صحیح مسلم: ۱۷۸۸)

تیسری صورت: وہ شخص مسلمان ملک 'یا اسلامی ریاست کی ضرورت اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ انتظامی امور کو منظم اور مربوط کرنے کی خاطر مقیم ہو، جیسے سفارتخانوں کے ملازمین یا عملہ ہے، تو ان کا حکم بھی مذکورہ شخص کے حکم جیسا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص 'اسلامی ثقافت' کا ترجمان اور ماہر ذمہ دار ہو اور وہ غیر مسلم ملک میں اس مقصد کے لئے رہتا ہے کہ وہاں مسلمان طلباء کے حالات اور ان کی دن رات کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہوئے، ان کی اخلاقی اقدار و روایات کی نگرانی کر سکے اور ہمہ وقت ان کے دین اسلام کی پاسداری کرنے اور ہر اسلامی تشخص برقرار رکھنے کی ترغیب دلا سکے ہے۔ تو ایسے شخص کے وہاں رہنے سے جہاں ایک بہت بڑی مصلحت اور منفعت حاصل ہو گی، وہاں ایک بڑے شر اور فساد کا خاتمہ بھی ممکن ہو سکے گا۔

چوتھی صورت: آدمی کسی خاص اور جائز ضرورت کی خاطر وہاں ٹھہرے، مثلاً تجارت (کاروبار) یا علاج وغیرہ کی غرض سے، تو ایسے حالات میں ضرورت پوری ہونے تک وہاں ٹھہرنا جائز ہے۔ اہل علم حضرات نے کاروباری مقاصد کی خاطر کافر ملک میں ٹھہرنے یا اس کی طرف سفر کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے اس کی دلیل بعض صحابہ کرامؓ کے آثار واقعات سے لی ہے۔ واضح رہے کہ سکونت کی یہ نوعیت عارضی ہے، ضرورت مکمل ہونے پر اس مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دارالاسلام میں واپس پلٹ آئے۔

پانچویں صورت: آدمی کسی کافر ملک میں تحصیل علم اور علم کے کسی شعبہ میں تحقیق وتدریس کے لئے ٹھہرے اور یہ سابقہ ضرورت کی ہی ایک قسم ہے کہ جہاں انسان کسی ضرورت کے پیش نظر مقیم ہو، البتہ بعض پہلوؤں سے یہ سابقہ شکل کی نسبت زیادہ خطرناک، اور سکونت پزیر مسلمان شخص کے دینی اور اخلاقی اقدار کی پامالی کے اعتبار سے زیادہ سنگین بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ایک طالب علم اپنے اساتذہ کے علم سے متاثر ہوتا ہے اور ان کی شخصیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اساتذہ کی اپنے شاگرد کے ہاں قدر ومنزلت براہ راست اس کے اخلاق وکردار پر اثر انداز ہوتے اور شاگرد کو ان کے افکار وآرا اور طریقۂ زندگی کو اپنے اساتذہ کی ہی سیرت وکردار کے اَسیر ہوجاتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ بچائے رکھتا ہے اور وہ بہت ہی کم تعداد میں ہیں۔

پھر طالبِ علم اپنے استاد کے سامنے ضرورت مند ہوتا ہے اور یہی ضرورت ہی اس کے دل کو استاد سے محبت کی طرف مائل کرتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس دینی انحراف اور گمراہی پر وہ استاد گامزن ہوتا ہے، شاگرد بھی اسی کوتاہی کا شکار ہوجاتا ہے ایسے ہی وہ طالب علم جس تعلیمی ادارے میں مقیم ہوتا ہے، وہاں اس کے ساتھی اور دوست بھی ہوتے ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے، میل جول رکھتا ہے اور دیگر معاشرتی ضرورت پوری کرتا ہے۔ ان سب امور کے ہوتے ہوئے ایک نوخیز طالب علم کے اخلاق وکردار کے بگاڑ کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے، لہٰذا اس قسم کے لوگوں کے بارے میں حفاظتی اقدامات دوسروں کی نسبت زیادہ ضروری ہیں۔ لہٰذا دُیارِ کفر میں ان کے دین وایمان اور اخلاق وکردار کے تحفظ کی خاطر ان دو بنیادی شرطوں (جن کا پہلے ذکر ہوچکا ہے) کے علاوہ درج ذیل اضافی شروط کو اپنانا لازم ہوگا:

(۱) طالب علم عقل کی پختگی اور سوچ وبچار میں اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ وہ آسانی سے منفعت بخش اور نقصان دہ چیز میں فرق کرسکے اور کسی بھی چیز کے نفع ونقصان کے بارے میں وہ دوربین اور دوراندیش ہو۔ اور جہاں تک چھوٹی عقل کے ناسمجھ بچوں کو طلبِ علم کے لئے ایسی جگہوں میں بھیجنے کا تعلق ہے تو یہ ان کے دین اور ان کے اخلاق وکردار کی بربادی کے لئے سنگین خطرہ ہے۔ کل کلاں یہ نونہال اپنی قوم وملت کے لئے بھی بہت بڑے خطرے کا باعث ہوں گے یہی لوگ واپس آکر اپنی قوم کے دل ودماغ میں وہ زہر اتاریں گے، جو انہوں نے (دارکفر میں رہتے ہوئے) کفار سے نادانستگی میں سیکھا تھا۔ اور اس قسم کی متعدد مثالیں مسلم معاشروں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ایسے متعدد ناقابل تردید حقائق موجود ہیں کہ بہت سے لوگ تعلیم وتعلّم کے لئے دیارِ کفر وشرک میں گئے، جب واپس پلٹے تو ایمان کی پونجی سے محروم تھے، اور مزید ستم یہ کہ دینی تشخص اور اچھے اخلاق وکردار سے بیگانہ ہوکر اپنے ساتھ کفر والحاد کو بھی لے کر لوٹے، اور خود اپنے لئے

اور اپنی قوم وملت کے لئے بھی فساد و بگاڑ کا سبب بنے۔ یہاں یہ بات ہم بانگ دہل کہیں گے کہ ایسے حالات میں کم عمر اور مذکورہ شرائط سے تہی دامن لوگوں کو دیارِ کفر بھیجنا، خونخوار کتوں کے آگے پھینک دینے کے مترادف ہے۔

(۲) دیارِ کفر، میں مقیم طالب علم کے پاس اس حد تک شرعی علم ہونا چاہئے جس کی وساطت سے وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرسکتا ہو اور حق کی ضرب سے باطل کا قلع قمع کرسکتا ہو، تاکہ باطل کی جس روش پر اہل کفر جمے ہوئے ہیں۔ کہیں وہ ان سے متاثر ہوکر دھوکہ نہ کھا جائے۔ ان کے جھوٹ کو، سچ نہ سمجھ بیٹھے، یا حق اور باطل اس پر خلط ملط نہ ہوجائیں۔ کہیں اس باطل سے اپنا بچاؤ کرنے میں وہ ناکام نہ ہوجائے اور پھر سرگرداں ہوکر باطل کی پیروی میں نہ لگ جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ ایک دعا میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''**اللهم أرني الحق حقاوارزقني اِتباعة وأرني الباطل باطلا وارزقني اجتنا به ولاتجعلهُ ملتبساعلی فأضلّ**''

''الٰہی! مجھے راہ حق دکھادے اور (پھر) مجھے اس کی پیروی کی توفیق دے اور مجھے باطل راستے دکھادے اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمادے، اور اس (حق وہ باطل کی) راہ کو مجھ پر خلط ملط نہ کر، کہ میں راہ حق سے بھٹک کر گمراہ ہوجاؤں۔''

(۳) کفروشرک والے ممالک میں سکونت پزیر طالب علم کے پاس اتنی دینی حمیت وجذبہ اور ایمانی غیرت ہو جو اسے بے راہ روی سے بچاسکے اور کفر وفسق کی لعنتوں سے اسے محفوظ رکھ سکے کیونکہ دینی اعتبار سے کمزور نوجوان، وہاں اقامت کے دوران کفر وفسق کے فتنہ وفسق سے محفوظ نہیں رہ سکتا، سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ اور یہ اس معاشرے میں کفروشرک کے طاقتور ہونے اور اس کے ردعمل میں دینی قوتوں کے انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے ہے، اور جب یہ الحادی اور طاغوتی قوتیں کسی بھی جگہ اپنی مخالف قوتوں کو کمزور اور ناتواں پاتی ہیں تو فوراً اپنی تخریبی کاروائی شروع کردیتی ہیں۔

(۴) ایک شرط یہ ہے کہ جس علم کو حاصل کرنے کے لئے وہ دیارِ غیر میں بیٹھا ہے، اُس کی اس اعتبار سے انتہائی زیادہ ضرورت ہو کہ اس میں عام مسلمانوں کی مصلحت ہے۔ اور پھر اس جیسی تعلیم، اس کے اپنے ملک کے کسی مدرسہ یا تعلیمی ادارے میں نہ پائی جاتی ہو، اور نہ اس قسم کا کوئی ادارہ ہی موجود ہو۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسا علم ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو، یا اس جیسا تعلیمی ادارہ اس کے اپنے ملک یا کسی دوسرے اسلامی ملک میں موجود ہو جہاں سے وہی تعلیم پانا اس کے لئے ممکن ہو تو اس صورت میں اس کے لئے کفار ومشرکین کے درمیان رہ کر اُن کے ملک میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایک تو اس کا ایسی جگہ پر ٹھہرنا اس کے دین اور اخلاقی اقدار کیلئے انتہائی خطرناک ہے اور دوسرا یہ کہ ایک نقصان دہ چیز کی طلب میں بہت رقم خرچ ہوگی۔

چھٹی صورت: کوئی شخص باقاعدہ کفار ومشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرلے (یا کوئی طالب علم، کفار ومشرکین کے ساتھ تعلیمی ادارے میں سکونت اختیار کرے) تو ایسی اقامت، پہلی ذکر کردہ صورتوں سے اس لئے زیادہ خطرناک اور بڑی نقصان دہ ہے کہ اہل کفر کے ساتھ مکمل اختلاط سے بڑا فتنہ وفساد جنم لے گا، اور پھر اس شخص کا یہ تصور کہ یہ لوگ یہاں کے مقامی باشندے ہونے کے ساتھ ساتھ تعداد میں بھی زیادہ ہیں، اور ان کے ساتھ لین دین، مودّت ومحبت رکھنا اور ان کے رسم ورواج کو اپنا، یہاں ان کے وطن میں رہنے کیلئے

اس کی ایک مجبوری ہے، اوران کے درمیان سکونت کا تقاضا بھی۔ تو انجام یہ ہوگا کہ اس کے اہل خانہ کفار کے درمیان پروان چڑھیں گے جہاں (نہ چاہتے ہوئے بھی) وہ ان کے طرز حیات، اخلاق وعادات اور غیر اسلامی رسومات کو اپنالیں گے، اور بسا اوقات تو دینی معاملات اور خاص طور پر عقائد وعبادات میں بھی ان کی بدعات وخرافات میں آنکھیں بند کئے پیروی کریں گے۔ اس ضمن میں اللہ کے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہمیں یاد رکھنا چاہئے:

''من جامع المشرك وسكن معه فهو مثله'' (سنن ابو داؤد:۲۷۸۷)

''جو مشرک کے ساتھ بیٹھا اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کی تو وہ اسی کی مانند ہے۔''

یہ حدیث اگرچہ اپنی سند کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ کسی شخص کا کسی قوم کے ساتھ مل جل کر رہنا آخر کار ان کی مشابہت اور موافقت کا پیشہ خیمہ ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں، جس نے مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کی، صحابہ کرامؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ، کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا ترائی نار هما'' (سنن ابو داؤد:۲۶۴۵، جامع ترمزی:۱۶۰۴)

ترجمہ: ''ان (اہل ایمان اور مشرکین) کو تو ایک دوسرے کی جلائی ہوئی آگ بھی نہیں دکھائی دی جانی چاہئے۔''

(یعنی ان کی اقامت ورہائش کے درمیان کم از کم اتنا فاصلہ ضرور ہونا چاہئے) اس حدیث کو امام ابوداود اور امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں روایت فرمایا ہے۔ اور اکثر راویوں نے اسے قیس بن حازم تابعیؒ سے 'مرسل' بیان کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: ''صحیح یہ ہے کہ قیس بن حازمؒ کی یہ حدیث اللہ کے نبی ﷺ سے 'مرسل' ہے'' اگر معاملہ اس حد تک خطرناک ہو تو ایک مؤمن اس کو کیونکر گوارا کرسکتا ہے، کہ وہ بلادِ کفار، میں مستقل رہائش اختیار کرے جہاں کھلے عام کفریہ شعائر کا پرچار ہوتا ہو اور اللہ جل جلالہ، اور اس کے رسولؐ کے حکم کے علاوہ، طاغوت کے احکام وقوانین نافذ ہوں اور وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا اور اپنے کانوں سے سنتا ہو اور اس پر مطمئن بھی رہتا ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اپنے آپ کو انہی کافروں کے ممالک اور اقوام کی طرف منسوب کرتا ہو، اور وہاں 'غیر مسلم معاشرے' میں اپنے اہل وعیال سمیت رہائش پذیر ہو، اور اس طرح مطمئن زندگی بسر کرتا ہوں جیسے وہ کسی معاشرے اور مسلمان ملک میں رہائش اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنے اہل وعیال اور خاندان کے اخلاق وکردار اور دینی اقدار پر اس کافر معاشرے کے بڑے خطرات اور زہریلے اثرات کے ہولناک اور تباہ کن نتائج سے بخوبی آگاہ بھی ہو، ایک مسلمان اسے قطعاً گوارا نہیں کرسکتا۔

(بشکریہ ماہنامہ محدث لاہور اپریل 2007)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆